ĪQĀN -Vol: 04, Issue: 02, Jun-2022
DOI.10.36755/iqan142.2022,PP: 1-08

OPEN ACCESS
Name
3336-2617pISSN:
3700-2617eISSN:
www.iqan.com.pk

برصغیر کی مسلم علمی فکر اور جدید قومی ریاست

(سید ابوالاعلی مودودی کی فکر کا اختصاصی مطالعہ)

Muslim Intellectual Scholarship and Modern Nation States

(A case Study of Syed Abūl Alā Mawdūdī ’s Views)

* ***Abdul Rehman Muddassir*** < *a.rehman.muddassir@gmail.com*>
PhD Scholar, G C University, Faisalabad
** ***Dr. Sher Ali*** < *drsherali63@gmail.com*>
Associate Professor, Department of Islamic studies, G C University, Faisalabad

Version of Record
Received: 30-April-22; **Accepted** :13-May-22; **Online/Print**: 30-Jun-22

ABSTRACT

Syed Abūl Alā Mawdūdī was a renowned Muslim scholar. He changed the political and religious trends in the sub-continent through his scholarly work. He took an active part in freedom movement for a separate homeland for the Muslims of the sub-continent. Syed Mawdūdī passed away in 1979 and buried in Lahore. Syed Mawdūdī has a different political his own political doctrine and a different political ideology. He started his political movement on his own logical agenda rather than adopting Sufism; though having deep insight in political affairs. In the 20th century, when Nation States came into being as the result of New World Order after the 2nd world war and a couple of Muslim States appeared around the world globe. These states are based on the theory of nationalism, not Islamic Ideology. Syed Abūl Alā Mawdūdī keenly observed all this scenario. He was a great critic of nationalism and considers it fatal and poisonous for a Muslim state. He considered it a great weakness for the Muslim states around the world and presented the Islamic political system in its true spirit..

Keywords*: Nation State, Nationalism, Pakistan movement, Freedom, Islamic Political System, Congress, Muslim League*

جدید قومی ریاست دراصل مغربی استعمار نو Neo Colonialism کی دَین ہے۔ جس کے اساسی جوہر میں بلا تفریق مذہب آبادی، علاقہ، زبان، نسل اور مشترکہ قومی شناخت اور روایات میں ایک سرحدی تحدید (Country Boundary) میں متحد ہونا شامل ہے۔ بیسویں صدی میں جب مغربی نو آبادیات نے اپنے خاتمہ سے قبل مسلمان ممالک کو جدید قومی ریاست کی صورت میں منظم کر کے انہیں آزادی دی تو مسلم دنیا میں مابعد نو آبادیات اس جدید قومی ریاست کو ایک مسلمہ سیاسی نظام کی حیثیت سے قبول کر لیا گیا ہے۔ یہ پرکھا ہی نہیں گیا کہ کیا اس جدید قومی ریاست کو اسلامی نظام خلافت کا حقیقی پر تو قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ مسلم خلافت کی نعم البدل ہے یا عالمی بساط پر بچھائے گئے Neo Colonialism یعنی استعمار جدید کا پھندا ہے؟ اور سیاسی جمہور نے جدید قومی ریاست کی حقیقت، ماہیت، اور اختیارات کو مد نظر رکھے بغیر تسلیم کیا اور شرعی اعتبار سے تمام وہ فرائض واختیارات جو مسلم خلافت سے وابستہ تھے، انہیں اس جدید قومی ریاست کو تفویض کر دیا اور اسے چند اسلامی حدود کا پابند کر کے سندِ جواز دے دی گئی۔ اور یہ سوال ہی نہ اٹھایا گیا کہ کیا یہ نو آزاد مسلم ممالک میں "ریاست" کو ان حدود کا پابند بنانے سے یہ مسلم ریاستیں حقیقتاً اسلامی ریاست میں بدل گئی ہیں۔ اس وقت بعض بہت کمزور آوازیں جدید قومی ریاست کو ردّ کرنے کے حق میں اٹھیں لیکن یا تو دب گئیں یا پھر حالات کے دھارے میں بہتے ہوئے اسے ہیں شرعی سند سے نواز دیا گیا۔ اس پس منظر میں ایک ہی توانا آواز نظر آتی ہے جس نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا اور لومۃ لائم سے بے پرواہو کر صحیح اور حق بات کو اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح کے ساتھ پیش کیا وہ ہستی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمۃ کی ہے۔ ان کی فکر اور نظریہ سیاست جانچنے سے قبل مختصراً ان کے شخصی احوال پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔ ایک مفسر، سیرت نگار، مصلح وداعی، بطل جلیل اور قائد غیر متزلزل اور "المسلم العظیم "1 سے ملقب سید ابوالاعلی مودودی نے اورنگ آباد (حیدر آباد دکن) کے ایک دینی معزز گھرانے میں ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء بمطابق ۳ رجب ۱۳۲۱ھ آنکھ کھولی۔2

آپ کا سلسلہ نسب چودھویں پشت میں سید قطب الدین مودود چشتیؒ سے ملتا جن کی نسبت سے آپ کا نام مودودی رکھا گیا۔3 سید صاحب کے والد سید احمد حسن علی گڑھ سکول کے اولین طلبہ میں سے تھے۔ وکالت کو بطور پیشہ اختیار کر رکھا تھا لیکن مزاج پر تصوف کا رنگ غالب تھا۔ اچھی چھان بین کے بعد مقدمات کی پیروی کے لیے تیار ہوتے تھے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔4۔ بعد ازاں مدرسہ فوقانیہ (انٹر میڈیٹ) کی جماعت رشدیہ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں گیارہ سال کی عمر میں عربی ادب، منطق میں مرقاۃ، فقہ میں قدوری اور حدیث میں شمائل ترمذی کے نصاب پر مشتمل مولوی درجہ کا امتحان پاس کیا۔ ساتھ ساتھ ذوق، لگن، محنت اور کوشش سے اردو اور عربی کے علاوہ انگریزی زبان پر مہارت کے باعث علوم جدیدہ کے دروازے آپ پر کھلتے چلے گئے۔5 انگریزی زبان پر مہارت کے باعث انگریزی تاریخ، مطالعہ مذاہب، عمرانیات، سیاسیات جیسے علوم پر انگریزی کتب کا مطالعہ بھی آسان ہو گیا۔ اسی دوران والد محترم پر فالج کا حملہ ہوا تو تعلیمی سلسلہ منقطع کرتے ہوئے والدہ کے ساتھ بھوپال چلے آئے۔ ابھی آپؒ صرف بارہ برس ہی کے تھے کہ والد محترم فالج کے باعث بھوپال میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

[1] سید قطب، تفسیر فی ظلال القرآن، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1986 (مقدمہ)

[2] محمد یوسف، بھٹہ، مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، 1984، ص7

[3] ابوالآفاق، ایم اے، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سوانح، افکار، تحریک، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1971، ص45

[4] محمد یوسف بھٹہ، مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں، ص24

[5] ثروت، صولت، مولانا مودودی کی تقاریر، ج1، اسلامک پبلیکیشنز، لمٹیڈ، لاہور، پاکستان، 1976ء، ص23

[1]قیام بھوپال کے دوران وہاں کی لائبریریوں سے بھرپور استفادہ کیا۔ دہلی میں 1921ء میں اپنے قیام کے دوران اپنی تعلیمی کمی کی طرف بھرپور توجہ دی اور شہر کے معروف علماء واساتذہ سے تفسیر، حدیث، عربی ادب اور منطق میں مہارت حاصل کی۔[2]اسی دوران ہی جمعیت علمائے ہند کے اخبار "مسلم" سے بطور مدیر وابستہ ہو گئے۔[3] بعد ازاں ۱۹۲۵ء میں جب دوسرا اخبار "الجمعیہ" نکالا گیا تو سید مودودیؒ ہی اس کے مدیر مقرر کیے گئے۔[4] ۱۹۲۸ء میں جب حیدر آباد منتقلی کا ارادہ کیا تو اپنے مقصد حیات اور نصب العین کا تعین کرتے ہوئے بقیہ زندگی اس کی تکمیل کے لیے وقف کر دی۔[5] ۱۹۳۲ء میں اپنے نصب العین کی اشاعت و تبلیغ کے ماہانامہ "ترجمان القرآن" جاری کیا۔ ۱۹۳۷ء میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کی دعوت پر پنجاب منتقل ہو گئے۔ پھر ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو پٹھان کوٹ "دارالاسلام" پہنچے۔ ۱۹۳۹ء اور ۱۹۴۲ء میں دوران قیام لاہور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں شعبہ علوم اسلامیہ کے استاد کی حیثیت سے بلا معاوضہ خدمات انجام دیں اور جب انتظامیہ نے معاوضہ دینا چاہا تو اپنا استعفیٰ دے دیا ۔۲۶۔ اگست ۱۹۴۱ء کو سید مودودیؒ کی پکار پر لاہور میں 75 نفوس و 74 روپے 14 آنے کے سرمایے کے ساتھ جماعت اسلامی ہند کی بنیاد رکھی گئی[6] اور آپ ہی کو اس کا اولین امیر منتخب کیا گیا۔ ۲۹ اگست ۱۹۴۷ء میں ہجرت کی اور لاہور تشریف لے آئے۔ ۲۷ مئی ۱۹۷۹ء کو علاج کی غرض سے امریکہ تشریف لے گئے جہاں ماہر ڈاکٹروں کی زیر نگرانی معدے کے السر کا آپریشن ہوا اور وہیں ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو دل کے شدید دورے کے باعث اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔[7] انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یوں عالم اسلام اس ہستی سے محروم ہو گیا جس کے بارے لکھا گیا کہ:

"بیسویں صدی اس اعتبار سے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی صدی تھی کہ انہوں نے افکار کی دنیا میں انقلاب برپا کیا اور عالم اسلام کی بیش تر دینی تحریکوں نے ان کی برپا کی ہوئی تحریک سے ہی غذا حاصل کی"[8]

سوانحی تعارف کے ساتھ ساتھ ان کی فکری شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو ان کی تصویر کچھ سامنے آتی ہے کہ!

"مولانا کی قلمی لڑائی یک رخی اور یک اور یک طرفہ نہیں تھی، انہیں چومکھی لڑائی لڑنا پڑی۔ انہیں بیک وقت سیکولرازم، سوشلزم، کیمونزم، مغربی طرز حکومت، الحاد تشکیک، جعلی تصوف، مردم بیزار اور معاشرہ گر سیرت اور باطنیت اور تہذیب مغرب کے خلاف شمشیر زن ہونا پڑا۔ تدین، تدبر، تفکر تعمق، تحقیق، تفتیش، تعدیل، تعبیر، تشریح اور تعیین ان کے بنیادی ہتھیار تھے، جن سے وہ عمر بھر مسلح رہے اور دبستان فکر کی کہنہ تک پہنچنے میں کوشاں رہے"[9]

جب مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنے عہد کے سیاسی احوال و واقعات کے تناظر میں اسلام کے سیاسی نظریہ اور نظام حکومت پر قلم اٹھایا مسلمانان ہند سیاسی حوالے

---

1 گیلانی، سید اسعد، سید مودودی، دعوت و تحریک، اسلامک پبلیکیشنز لمٹیڈ، لاہور، 1980ء، ص55

2 نعمانی، عاصم، تصوف اور تعمیر سیرت، ص18، اسلامک پبلکیشنز لمٹیڈ، لاہور، پاکستان، 1972ء، ص22

3 فاروقی، رفیع الدین (مرتب) مقالات مسلم دہلی، سہیل گرافکس، حیدر آباد، انڈیا، 2016ء، ص14

4 ایضاً

5 مودودی، سید ابو الاعلیٰ، دعوت و تحریک، ص172

6 ایضاً

7 ابو الآفاق صاحب، سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، ص285

8 مودودی، حمیرا اسیدہ، شجرہائے سایہ دار، منشورات، لاہور 2005ء، ص5

9 حامدی، خلیل احمد، تذکرہ سید مودودی، ادارہ معارف اسلامی، لاہور 1998ء، ج3، ص465

سے فکری انتشار کا شکار تھے۔ صورت حال یہ تھی کہ ایک طرف خلافت عثمانیہ کا خاتمہ عالم اسلام کے لیے بہت بڑا دھچکا تھا جسے برصغیر کے مسلمان ذہنی طور پر قبول نہیں کرپا رہے تھے۔ دوسری طرف انگریزوں سے گلو خلاصی کے لیے جدوجہد زوروں پر تھی۔ حصول آزادی کے لیے مسلمان مختلف سیاسی و مذہبی جماعتوں کے پلیٹ فارم پر سرگرداں تھے۔ چوں کہ ہر جماعت کا اپنے اپنے منشور کے ساتھ خاص نظریہ کی بنیاد پر کوشاں تھی اور بعض یا اکثر ان کے مابین نظری تفاوت تھا۔ کانگریس کی طرف سے انگریز سے آزادی کے حصول کے لیے قومی شناخت کے طور پر مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک قوم تسلیم کرتے ہوئے متحدہ قومیت کا نظریہ پیش کیا گیا۔ دوسری طرف مسلم لیگ نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر مسلمانوں کے الگ مذہب و تشخص پر زور دیتے ہوئے مسلم قومیت کا نعرہ بلند کیا گیا۔ جس پر مسلمانوں کی بڑی اکثریت ایک "مسلم ریاست" کے حصول کے لیے سر ڈھڑ قربان کرنے کو بھی تیار ہوگئے۔ دونوں بڑی سیاسی جماعتوں میں مسلم مشاہیر نے اپنے اپنے موقف کے حق میں مذہبی دلائل کے انبار لگادیئے۔ انگریز سے آزادی مذہبی بنیاد پر فکری و نظری سے زیادہ سیاسی، عملی اور جذباتی و نفسیاتی مسئلہ تھا۔ ان مذہبی سیاسی مباحث میں "اسلامی ریاست" اور "مسلم ریاست" کے مابین حد فاصل کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلم قومیت کی بنیاد پر مسلم ریاست کے حصول کو ہی اسلامی ریاست کا حصول سمجھ لیا گیا۔ (اس فرق کو مد نظر نہ رکھنے کی بنا پر "عرب مسلم ریاستیں" وجود میں آئیں مثلاً تیونس نے اپنے آپ کو عرب مسلم ریاست ڈیکلئر کیا۔)

مولانا مودودی نے اس باریک فرق کو نہ صرف واضح کیا ہے بلکہ اس کے مقابل اسلامی قومیت کو ایک سیاسی اصول قرار دیا۔ ان کا سب سے عظیم ترین کارنامہ یہ گردانا گیا ہے کہ ان کی وجہ سے اسلامی تصور قومیت نے ایک سیاسی نصب العین کی شکل اختیار کرلی۔[1]

> "برصغیر میں نظریہ قومیت کے بت پر کاری ضرب لگانے میں سب سے نمایاں نام سید ابوالاعلی مودودی کا نظر آتا ہے۔ انہوں نے "مسئلہ قومیت" میں متحدہ قومیت کے ساتھ ساتھ مسلم نیشنل ازم پر قلم اٹھایا اور اسلامی قومیت کو بحیثیت ایک سیاسی اصول کے مسلمانوں میں متعارف کروایا"[2]

مسلم نیشنل ازم کی بناء پر حکومت کے حصول کے حوالے سے ان کی بات کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ کہ جن لوگوں کی یہ سوچ ہے کہ مسلم اکثریت کے ہندوؤں کی اکثریت کے پنجہ استبداد سے آزاد ہو جائیں گے وہ جان لیں کہ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی ایک کافرانہ حکومت ہی وجود میں آئے گی۔[3] برصغیر میں مسلم مشاہیر و ارباب علم کی اکثریت نے جدید قومی ریاست کی بجائے مسلم حکومت کے حصول پر پر زیادہ تر توانائیں صرف کیں۔ مسلم قومیت کی بنیاد پر معرض وجود میں آنے والی ریاست کے مقابل مولانا نے اسلامی ریاست کو موضوع بحث بنایا اور اس پر لکھنے والوں میں ان کے ہم پلہ اور کوئی مذہبی شخصیت نظر نہیں آتی۔ انہوں نے اسلامی ریاست کے اصول حکمرانی، نظام کار کا ہمہ جہت فکری و نظری جائزہ لیا جس میں ان کی اجتہادی بصیرت اور وسعت فکر پوری طرح عیاں ہے۔ ریاستی ادارے کس طرح اسلام کے قالب میں ڈھل سکتے ہیں اس کے لیے انہوں نے اسلامی ریاست، نظام حکومت، ریاستی ادارہ جاتی نظم اور تنفیذ قانون کی عملی شکل پیش کی اور ساتھ ہی دین وسیاست میں تفریق پر کاری ضرب لگاتے ہوئے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ ہی کو نہیں بلکہ مملکت کے قانون کو بھی دین قرار دیا اور اقامت

[1] مودودی، ابوالاعلی، سید، اسلامی ریاست، (مقدمہ از پروفیسر خورشید احمد) ص 31-32
[2] ابوالآفاق، ایم اے، سید ابواعلی، سوانح، افکار، تحریک، ص 141
[3] مودودی، ابوالاعلی، سید، اسلامی ریاست، ص 153

دین کا مطلب صرف نماز کے قیام کی بجائے قانون الہیٰ کے قیام اور نظام شریعت کے قیام کو بھی قرار دیا ہے۔[1] وہ ایک مسلمان کو ایمان کے تمام تقاضوں کی تکمیل کے قابل تبھی سمجھتے ہیں جب وہ اپنے تمام معاملات کا فیصلہ چاہے وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی قانون الہیٰ اور شریعت مطاہرہ کے مطابق کرے۔[2] اس کے ساتھ ساتھ جدید مغرب کے سیاسی نظام و نظریات پر اسلامی نظریہ و نظام سیاست کی برتری اور فوقیت کو عیاں کیا۔[3] یہ وقت کی اہم ترین ضرورت بھی تھی۔ ان کی سوچ صرف فلسفیانہ یا نظری حد تک نہیں تھی بلکہ وہ اسلامی ریاست کے قیام کو ایک ناگزیر دینی و شرعی ضرورت گردانتے تھے۔

> "مسلمان اپنے ایمان کے تقاضے پورے نہیں کرسکتے جب تک وہ اسلامی معاشرہ اور حکومت قائم نہ کرلیں۔۔ زندگی کے تمام معاملات خدا کے قانون کے مطابق طے ہوں"[4]

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اسلامی ریاست کے جو خدوخال بیان کیے، ان کی مختصر انشان دہی کی جاتی ہے۔ سید مودودیؒ انسان کو زمین پر اللہ کا فرماں روا قرار دیتے ہیں اور اس کی اس فرماں روائی کو وہ نسباً نہیں بلکہ خدا کی تفویض کردہ قرار دیتے ہیں اسی لیے اللہ نے اس کو تفویض کردہ اختیارات کو امانت قرار دیا ہے۔

> "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاo"[5]

> "ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی پھر انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے اور اسے انسان نے اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم بڑا نادان تھا"

اور اسی حیثیت میں وہ ان تفویض کردہ اختیارات کو بطور امانت استعمال میں لاتے خلیفہ کہلاتا ہے۔[6] مسلمان ایک قومی وحدت نہیں بلکہ عقیدہ کی بنیاد پر بننے والی ایک جماعت (ملت) ہیں۔ اور وہ جماعت اس خطہ اراضی پر حاکیت الہیٰ اور خلافت علی منہاج النبوۃ کے نظام کو اس کے تمام تضمنات کے ساتھ اسلامی ریاست کی صورت میں قائم کرنے کی داعی ہو۔[7] لہٰذا صرف وہی ریاست اسلامی ریاست کہلانے کی حقدار ہے جو نہ صرف خدا کی حاکمیت کو مانے بلکہ خدا اور اس کے رسولؐ کی شریعت کو سب سے برتر قانون مانے، اور حدود الہیٰ میں رہ کر کام کرے۔ ایسی ریاست میں اختیار کی اصل حکمت احکام الہی کا اجراءوامر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ارتقاء ہو، اور اس ریاست میں اقتدار اعلیٰ کا اصل مقصد خدا کی نیابت و امانت ہو اور یہی مفہوم ہے خلافت کا۔[8] اس طرح ریاست خدا اور رسولؐ کی قانونی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے حق میں حاکمیت سے دستبردار ہو کر حاکم حقیقی کے تحت خلافت کو قبول کرے۔ اس طرح اس کو جو بھی اختیارات وہ خواہ تشریعی، عدالتی یا انتظامی نوعیت

---

[1] مودودی، ابو الاعلی، سید، اسلامی ریاست، ص52
[2] مودودی، ابو الاعلی، سید، تفہیم القرآن، ترجمان القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 1986ء، ج2، ص638
[3] مودودی، ابو الاعلی، سید، اسلامی ریاست، ص65
[4] ایضاً، ص54
[5] الاحزاب: 72
[6] مودودی، ابو الاعلی، سید اسلامی ریاست، ص147
[7] ایضاً، ص517
[8] مودودی، اسلام کا نظریہ سیاسی، ص20-23

کے ہوں اللہ اور رسول کی مقرر کردہ حدود تک محدود ہوں گے۔[1] اس طرح انہوں نے جدید قومی ریاست کی جوہری و اساسی نفی کی ہے۔ اسلامی ریاست کی نوعیت و ماہیت میں مغربی طرز کی لادینی جمہوریت (Secular Democracy) سے قطعی مختلف ہے اور انہوں نے اسلامی ریاست میں طرز حکومت کو ایک نئی اصطلاح "الٰہی جمہوری حکوم (Theo - Democracy) سے تعبیر کیا ہے۔ اس لیے کہ خدا کے اقتدار اعلیٰ کے تحت اہل اسلام کو ایک محدود حاکمیت (Limited Popular Sovereignty) عطا کی گئی ہے۔ سارے انتظامی معاملات اور تمام وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، مسلمانوں کے اجتماع ہی سے طے ہوں گے۔ عام اہل اسلام میں سے ہر فرد اس کی تشریح میں آتا ہے جو اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو، اس طرح سے یہ ایک طرح کی میڈ ڈیموکریسی کہلائے گی۔ لیکن جہاں خدا اور اس کے رسول کا حکم موجود ہو وہاں مسلمانوں کے کسی امیر کو، کسی مقننہ کو، کسی مجتہد اور عالم دین کو بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو بھی اس حکم میں یک سر ترمیم کا حق حاصل نہیں ہے، اس لحاظ سے یہ تھیا کریسی ہے۔[2]

جدید قومی ریاست میں طرز حکومت مغربی جمہوریت پر مبنی ہے اور مولانا مودودی اس کے اختیارات کی نفی کرتے ہوئے اسلامی ریاست میں خلافتاً تفویض شدہ حقوق کی وضاحت کرتے ہیں۔ سید مودودی کے نزدیک اسلامی ریاست میں خلافت و نیابت کی امین و کفیل بحیثیت مجموعی ملت اسلامیہ ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں خلافت کا وعدہ تمام مومنوں سے کیا گیا ہے۔ اسلامی ریاست میں ہر شخص خلیفہ ہے اور خلافت میں برابر کا شریک ہے۔ چنانچہ ان کی رائے میں حقیقی نوعیت کی خلافت کا حامل ایک شخص، خاندان یا طبقہ نہیں بلکہ وہ جماعت مجموعی حیثیت میں ہوتی ہے۔ تمام اہل اسلام یا اصطلاحی معنوں "خلفاء" اپنی مرضی سے اپنی خلافت انتظامی طور پر اس کی ذات سے مرکوز کر دیتے ہیں۔ اور یوں وہ ایک طرف تو وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہے جبکہ دوسری طرف وہ ان خلفاء کے سامنے جوابدہ ہے جنہوں نے اپنی خلافت اسے تفویض کی ہے۔[3]

سید مودودی کی رائے میں اسلامی ریاست ایک مقصدی اور اصولی و نظریاتی ریاست ہے۔ اس کے مقاصد کو خدا تعالی نے متعین کر دیا ہے۔[4] اس کا مدعا صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے پر ظلم و جور سے روکے، ان کی آزادی کی حفاظت کرے اور مملکت کو بیرونی حملوں سے بچائے بلکہ اس کا مدعا اجتماعی عدل کا قیام، بدی کی تمام صورتوں کو مٹانا اور نیکی کی ان تمام شکلوں کو قائم کرتا ہے جن کو خدا نے اپنی واضح ہدایات میں بیان کیا ہے[5]۔ مودودی، سید مودودی کے مطابق اسلامی ریاست ایک ہمہ گیر نوعیت کی ریاست (Totalitarian State) ہے، جو پوری انسانی زندگی پر محیط ہے۔ یہ تہذیب و تمدن کے تمام شعبوں کو اسلام کے مخصوص اخلاقی نظریے اور اصلاحی پروگرام کے قالب میں ڈھال دیتا ہے۔ یوں کوئی بھی شخص اپنی زندگی کے کسی بھی معاملے کو نجی (Private) قرار نہیں دے سکتا۔[6] مملکتِ اسلامیہ میں

[1] مودودی، اسلام کا نظریہ سیاسی، ص38
[2] مودودی، ابوالاعلی، سید، خلافت و ملوکیت، ص43-44
[3] ایضاً، ص37
[4] مودودی، ابوالاعلی، سید، اسلام کا نظریہ سیاسی، ص32
[5] مودودی، ابوالاعلی، سید، اسلامی ریاست، ص147-148
[6] ایضاً، ص504

سربراہ حکومت کا منتخب ہونا عوام الناس کی رضا پر منحصر ہے، کسی بھی فرد کو زبردستی امیر بننے کا حق حاصل نہیں، اور نہ ہی کسی ایک خاندان یا طبقے کو اس پر اجارہ داری حاصل امیر کا انتخاب بغیر کسی جبر و اکراہ کے مسلمانوں کی آزاد مرضی سے ہی ممکن بنایا جائے گا۔[1] امیر کے اختیارات اور حدود میل سے متعلق سید مودودی کی رائے میں عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے تعامل سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صدر ریاست، ریاست کے تینوں شعبوں۔ انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کا صدر ہے۔ امیر کے فرائض اور ذمہ داریوں اور اطاعت کے حدود سے متعلق سید مودودی کا کہنا یہ ہے کہ اسلام میں امیر کا منصبِ کار یہ کہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق ریاست کے نظام کو چلائے گا۔[2] ایک حقیقی اسلامی ریاست میں انتظامیہ کی اصل ذمہ داری احکام الہٰی کا نفاذ اور معاشرے میں ایسے حالات پیدا کرنا ہے جس کے تحت وہ ان اصولوں کے تحت زندگی گزار سکیں اور اس کی یہی خوبی اس کو کسی غیر اسلامی ریاست سے ممتاز کر دیتی ہے۔[3] تاہم سید مودودی حکومت کی معزولی و تبدیلی کے لیے بھی جمہوری طریق کار کو ہی سب سے زیادہ قابل عمل اور اسلامی شوری کی روح کے قریب تر پاتے ہیں۔[4] سید مودودی کی رائے میں چونکہ تمام مسلمان بہ حیثیت مجموعی خلافت و امارت کے امین و کفیل ہیں، لہذا اُن کی رائے میں اسلامی ریاست کا پورا کاروبار، اس کی تأسیس و تشکیل سے لے کر رئیس مملکت اور اہل محل والعقد (مجلس شوری کے ارکان) کے انتخاب و تقرر اور تشریعی و انتظامی معاملات تک سب امور و معاملات اہل ایمان کے باہمی مشورے سے چلنے چاہیں۔[5] سید مودودی کی رائے میں اسلامی ریاست میں ایک مجلس شوری / مقننہ کا قیام بہر حال ناگزیر ہے۔ ان کے الفاظ میں اسلام اس طرح کی ریاست چاہتا ہے جس میں ایک مجلس قانون ساز (Legislature) کا ہونا ضروری ہے، جو اہل اسلام کے خاص نمائندوں پر مشتمل ہوں اور ان کے تمام فیصلے اکثریتی بنیادوں پر دارالاسلام میں حتمی قانون کے طور پر نافذ العمل ہوں گے۔[6]

یہ وہ نقطہ ہے جہاں جدید قومی ریاستی میں عوام الناس کے جمہوری اختیارات کے جوہری تفاوت کے باوجود ایک اسلامی ریاست کی مسلم رعایا کے ساتھ ظاہری اشتراک ہے اور مولانا اسے تسلیم بھی کرتے ہیں کہ ہم عصر حاضر کے حالات و ضروریات کے تحت ایسے تمام ممکنہ و مباح طریقہ ہائے کار کو اپنایا جاسکتا ہے، جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ جمہور کا اعتماد کن کو حاصل ہے۔ موجودہ دور کے انتخابات بھی انہی جائز طریقوں میں شامل ہیں تاوقتیکہ اس میں وہ راستے اختیار نہ کیے جائیں جو موجودہ جمہوریت کا خاصہ ہیں۔ بایں ہمہ اس امر میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ مجلس شورای کو مسلمانوں کے ووٹوں سے منتخب کیا جائے۔[7] سید مودودی کے نزدیک سیاسی و ملکی انتظامات و فوجی خدمات اور تمام معاملات دوسرے مرد کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں۔ وہ سیاست و مملکت داری میں عورت کے عمل دخل کو جائز نہیں سمجھتے۔ و مجلس شوری میں عورتوں کی شرکت کو غلط قرار دیتے ہیں۔ سید مودودی کے نزدیک مجلس شوری کی صحیح حیثیت امیر صدر ریاست کے مشیر کی ہے جس کے مشوروں کو

[1] مودودی، ابوالاعلی، سید، اسلامی ریاست، ص326
[2] ایضاً، ص347
[3] مودودی، ابوالاعلی، سید، اسلام کا نظریہ سیاسی، ص43-44
[4] مودودی، ابوالاعلی، سید، خلافت وملوکیت، ص37
[5] مودودی، ابوالاعلی، سید، اسلامی ریاست، ص366
[6] ایضاً، ص267
[7] مودودی، ابوالاعلی، سید، اسلام کا نظریہ سیاسی، ص47

قبول یا رد کرنے کا اختیار امیر کو حاصل ہے۔ ان کی رائے میں عموماً مجلس شوری کے فیصلے کثرت رائے سے ہوں گے تاہم امیر مجلس شوری کی اکثریت یا اس کے اجماع (اتفاق رائے) کے فیصلوں کا پابند نہیں ہے بلکہ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ اکثریت کے ساتھ اتفاق کرے یا اقلیت کے ساتھ۔ اور امیر کو بھی حق ہے کہ پوری مجلس سے اختلاف کر کے اپنی رائے پر فیصلہ کرے دیگر الفاظ میں اس کو "ویٹو" جیسے اختیارات حاصل ہیں۔ جہاں تک مجلس شورای / مقننہ کے قانون سازی کے دائرہ عمل کا تعلق ہے تو سید مودودیؒ کے نزدیک جن امور میں خدا اور رسول نے واضح احکام دیے ہیں یا حدود اور اصول مقرر کیے ہیں یہ مقننہ ہی ان کی تعبیر و تشریح کر سکتی ہے، اور ان پر مکمل عملدرآمد کے لیے ثانوی اصول وضوابط (Rules and Regulations) بنا سکتی ہے مگر ان میں ردوبدل نہیں کر سکتی۔[1] سید مودودی جدید قومی ریاستی تصور کے جزولاینفک مغربی جمہوریت کے برعکس اسلامی ریاست کی مقننہ میں مختلف سیاسی جماعتوں کے وجود کو اسلام کے نظام سیاست کی روح کے منافی سمجھا۔ ان کی رائے میں اگر ہم اپنے سیاسی آئیڈیل، خلافت راشدہ کی طرف آنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس قسم کے پارٹی سسٹم سے پیچھے ہٹا جائے، جو انتظام کار کو مختلف قسم کے تعصبات سے پراگندہ کرنے کا باعث بنتی ہے اور جس کی وجہ سے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ اقتدار کا شوقین طبقہ برسر اقتدار آکر عوام الناس کے پیسوں سے اپنے حمایتی پیدا کرنے کے بعد عوام الناس کے شور مچانے کے باوجود بھی اپنی من مانیاں کرتے پھریں۔[2]

ریاستی شہریت کے بارے مولانا مودودی کی رائے میں اسلامی ریاست چونکہ ایک اصولی و نظریاتی ریاست ہے اس کی نوعیت ایک قومی جمہوری ریاست سے قطعاً مختلف ہے۔ اسلامی ریاست عین اپنی نوعیت ہی کے لحاظ سے اس بات پر مجبور ہے کہ مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان واضح امتیاز کرے۔ چنانچہ وہ اپنے حدود میں رہنے والے لوگوں کو مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر تقسیم کرتی ہے اور ان کے فرائض و حقوق میں تمیز کرتی ہے۔ اسلامی ریاست انتظامی معاملات میں غیر مسلموں سے استفادہ تو کر سکتی ہے لیکن رہنمائی اور کار فرمائی کے منصب ان کو نہیں دیئے جاسکتے۔ وہ اپنی حدود میں موجود غیر مسلم عناصر (ذمیوں) کو اسلامی تعلیمات کے مطابق متعین حقوق ضرور دے گی اور یوں ریاست کے نظام میں ان کی مداخلت کے آگے بند باندھ دیتی ہے۔[3] سید مودودی جزیہ کو نہ صرف غیر مسلموں کی اطاعت کی علامت قرار دیتے ہیں بلکہ اس کو فوجی خدمت سے آزادی کا بدل اور ملکی تحفظ کا اعزازیہ بھی سمجھتے ہیں۔ سید مودودی کی رائے میں رئیس مملکت کا منصب تو غیر مسلم شہری بہر حال نہیں سنبھال سکتے اور جہاں تک صحیح معنوں میں اسلامی نظریہ کا تعلق ہے اس کے مطابق بھی مجلسِ شوری میں بھی غیر مسلموں کی نمائندگی درست نہ ہے، مگر عصر حاضر میں اس کے لیے گنجائش ممکن ہے۔ سید ابوالاعلی کے نظریہ اسلامی ریاست کا سطور بالا میں سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے یہ امر بخوبی عیاں ہو جاتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف معاصر جدید قومی ریاست کے نظریہ کے مقابلے میں اسلامی ریاست، دستور اور اہم اساسی اصولوں کا نظری و اطلاقی تصور پیش کیا بلکہ عصری تقاضوں کو سامنے رکھ کر اسلامی ریاست و حکومت کا مکمل اور مربوط و مفصل خاکہ پیش کیا ہے۔

@ 2022 by the author. this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)

[1] مودودی، ابوالاعلی، سید، اسلامی ریاست، ص57

[2] مودودی، ابوالاعلی، سید، اسلام کا نظریہ سیاسی، ص47

[3] مودودی، ابوالاعلی، سید، اسلامی ریاست، ص597-598